شریعت، طریقت اور اجتماعیت پر مبنی دینی شعور کا نقیب

ماہنامہ

رحیمیہ

لاہور

زیرِ سرپرستی: حضرت اقدس مولانا **شاہ سعید احمد** رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ مسند نشین سلسلہ عالیہ رحیمیہ رائے پور

مجلس ادارت

صدر مجلس: ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن

مدیر اعلیٰ: مفتی عبد الخالق آزاد

مدیر: محمد عباس شاد

ستمبر **2010**ء / رمضان المبارک شوال المکرّم ۱۴۳۱ھ CPL No. 59 جلد نمبر **2**، شمارہ نمبر **9** ☆ قیمت فی شمارہ: مبلغ **12** روپے ☆ سالانہ ممبر شپ: مبلغ **150** روپے

ترتیب عنوانات

درسِ قرآن.......تشریح: امامِ انقلاب مولانا عبید اللہ سندھیؒ 2
درسِ حدیث.............مولانا ڈاکٹر تاج افسر 2
اداریہ.............................مدیر اعلیٰ 3
خطبہ جمعۃ المبارک...................مفتی عبد الخالق آزاد 4
ولی اللّٰہی جماعت کی جدوجہد اور نوجوانوں کا کردار.......... 6
خطاب حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ
رفتارِ کار.........................عتیق الرحمٰن ایڈووکیٹ 8
دینی مسائل.........................مفتی عبد الغنی قاسمی 8

ارشادِ گرامی

حضرت اقدس مولانا
شاہ **عبد القادر** رائے پوری قدس سرہ
مسند نشین ثانی خانقاہِ عالیہ رحیمیہ رائے پور

"مسلمانوں کو دوسروں کی غلطیوں اور زیادتیوں کا ماتم اور شکوہ کرنے کے بجائے اپنی غلطیوں کو ٹٹولنا چاہیے۔ اور سمجھنا چاہیے کہ موجودہ ناخوش گوار حالات ان کی اپنی غلطیوں کا نتیجہ اور خمیازہ ہیں۔ اور وہ غلطی یہی ہے کہ ہم نے اسلامی اصولوں کو جدید حالات میں کام میں لانے میں کوتاہی کی ہے۔ اس لیے اب اگر مسلمان چاہتے ہیں کہ یہ حالات بدل جائیں تو دعا اور صحیح عمل سے خدا کی طرف رجوع کریں۔ اور اپنے اَخلاق درست کریں۔

ایسا کرلیا تو میں یقین رکھتا ہوں کہ اگر انفرادی تقویٰ اختیار کیا تو افراد کو حسبِ مقدارِ تقویٰ فائدہ ضرور پہنچے گا۔ اور اگر اجتماع نے ایسا کرلیا تو اجتماعی مشکلات بالکل رفع ہوجائیں گی۔ حقیقتاً یہ جو خلافِ طبع حالات ہم کو روز بروز پیش آ رہے ہیں، اپنے ہی ہاتھوں کے کرتوت ہیں۔ اگر ہم نیک ہوجائیں تو حالات بھی موافق ہوجائیں گے۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ دوسروں کا گِلہ کرنا ایک فریب ہے۔ جو سچی توبہ اور صحیح جائزے سے محروم رکھتا ہے۔ اس لیے اس کو دل سے نکال دیجیے۔"

(مجلس: 08 محرم الحرام 1368ھ / مطابق 11 نومبر 1948ء، بمقام: رام پور، انڈیا)

(ارشادات از حضرت شاہ عبد القادر رائے پوری قدس سرہ، ص 235، مطبوعہ مکتبہ رشیدیہ، 25 لوئر مال، لاہور)

مجلس مشاورت

حضرت مولانا مفتی عبد المتین نعمانی (بورے والا)
حضرت مولانا مفتی عبد القدیر (چشتیاں)
حضرت مولانا مفتی عبد الغنی قاسمی (لاہور)
حضرت مولانا محمد مختار حسن (نوشہرہ)
حضرت مولانا پروفیسر حسین احمد علوی (چشتیاں)
حضرت مولانا صاحبزادہ رشید احمد (ڈیرہ اسماعیل خاں)
محترم محمد اسلوب قریشی (لاہور)
محترم سید مطلوب علی زیدی (لاہور)
حضرت مولانا مفتی محمد اشرف عاطف (سعودی عرب)
محترم سید اصغر علی شاہ بخاری (پیر جو گوٹھ)
محترم ڈاکٹر لیاقت علی شاہ معصومی (سکھر)
محترم سید سیف الاسلام خالد (راولپنڈی)
محترم ڈاکٹر عبد الرحمٰن راؤ (سرگودھا)
محترم انجینئر آفتاب احمد عباسی (کراچی)
حضرت مولانا قاری تاج افسر (اسلام آباد)
حضرت مولانا محمد ناصر عبد العزیز (جھنگ)
حضرت مولانا قاضی محمد یوسف (حسن ابدال)
حضرت مولانا عبد اللہ عابد سندھی (شکار پور)

شعبہ مطبوعات
ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

مین کیمپس لاہور
رحیمیہ ہاؤس، 33/A کوئینز روڈ (شارع فاطمہ جناح) لاہور
092-42-36307714 , 36369089 www.rahimia.org

ریجنل کیمپس کراچی
رحیمیہ ہاؤس 9/A، سینٹر پوائنٹ سوسائٹی، بلاک نمبر 21
راشد منہاس روڈ، فیڈرل بی ایریا، کراچی
0092-21-36321616 , 36320707

ریجنل کیمپس سکھر
فلیٹ نمبر 111، 1st فلور، رائل اپارٹمنٹ
ریس کورس روڈ، سکھر
0092-71-5615185

ریجنل کیمپس ملتان
رحیمیہ ہاؤس 30/A، سٹریٹ نمبر 2، خان کالونی
چونگی نمبر 7، ایل ایم کیو روڈ، ملتان
0092-61-6212021

سالانہ ممبر شپ کی رقم "ناظم دفتر" کے نام ارسال کریں، اپنا پتہ صاف اردو میں اور خوشخط لکھ کر بھیجیں۔ ● پرچہ ہر ماہ کی 3 اور 4 تاریخ کو ارسال کر دیا جاتا ہے۔

رحیمیہ کا انگلش ایڈیشن ہماری ویب سائٹ پر پڑھا جاسکتا ہے۔

مایوسی کفر ہے!

تشریح: امام انقلاب مولانا عبیداللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ قَدْ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ ۝

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اُس قوم سے دوستی نہ کرو جن پر اللہ کا غضب ہوا۔ وہ تو آخرت سے ایسے ناامید ہو گئے جیسے کافر ''اہل قبور'' (مُردوں) سے ناامید ہو گئے۔'' (13:60)

کفار جو اہل کتاب میں سے نہیں ہیں ''اہل قبور'' (مُردوں) سے بالکل مایوس ہو چکے ہیں۔ یہ مایوس ہونے والوں کی پہلی جماعت ہے۔ یہ لوگ سمجھ بیٹھے ہیں جو قبر میں چلا گیا اس کی ترقی کا سلسلہ ختم ہو گیا۔ انھوں نے اپنی ترقی کا میدان فقط قبر سے ورے (پہلے) تک سمجھ لیا ہے۔ ان کے مقابلے میں مایوس ہونے والوں کی دوسری جماعت ''اہل کتاب'' کی بھی پیدا ہو گئی ہے۔ وہ باوجود آخرت کو تسلیم کرنے کے عملی طور پر اپنے آپ سے مایوس ہو چکے ہیں۔ اور یقین کر چکے ہیں کہ وہ اپنے جماعتی نظام سے ترقی کی کوئی ہمت اپنے اندر پیدا نہیں کر سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ کسی بڑے انسان کی آمد پر امیدیں لگائے بیٹھے ہیں کہ وہ آئے گا تو ہم ترقی کر سکیں گے۔ اس کے بغیر ہم اجتماعی نظام سے کوئی کام نہیں لے سکتے۔ یہ یہود ہیں۔ مسلمان ان سے دوستی پیدا کر کے ان کی مانند نہ بن جائیں اور کسی بڑی خارجی طاقت کے منتظر بن کر نہ بیٹھ رہیں۔ بلکہ قرآن حکیم کی مدد سے اپنی ترقی کا سامان کریں۔ اور قرآن کی مدد سے آپ اپنے اجتماعی نظام کی تشکیل کریں۔ یہود و نصاریٰ دونوں اپنی آخرت سے مایوس ہو کر قبر سے ورے تک اپنا میدانِ ترقی سمجھنے لگ گئے ہیں۔ مسلمان ایسے مایوس لوگوں کے خیالات سے متاثر نہ ہوں۔

قوموں کی زندگی میں آخرت کا عقیدہ ان کے دنیاوی عقیدے کا بطن (اندرونی حصہ) ہوتا ہے۔ جب یہ آخرت کی زندگی سے مایوس ہیں تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہے کہ وہ دنیا کی زندگی میں مایوس ہو جائیں گے۔ ایک ہی عمل ہوتا ہے۔ وہ منہ میں ایک اثر پیدا کرتا ہے۔ اور پیٹ میں جا کر دوسرا اثر پیدا کرتا ہے۔ اگر منہ کے اندر پیدا شدہ اثر کو ''ظاہری حیات'' تصور کیا جائے تو پیٹ کے اندر پیدا شدہ اثر کو ''باطنی حیات'' کہا جا سکتا ہے۔ یہ دونوں حالتیں لازم و ملزوم ہیں۔ جو شخص اپنے اعمال سے آخرت میں مایوس ہے، وہ اپنی محنت اور اجتماعیت سے دنیا میں بھی ترقی کا کوئی سامان پیدا کرنے کی امید، اپنے اندر پیدا نہیں کر سکے گا۔ اس قسم کے لوگوں سے دوستی پیدا کر کے ان کے سے نہ ہو جاؤ۔

اس سورت کے آغاز میں کہا گیا تھا کہ: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ یعنی ان لوگوں کے ساتھ، جو اجتماعیت اسلامیہ کے دشمن ہیں اور اس میں رخنہ اندازی کر رہے ہیں، کسی قسم کی محبت نہ رکھو۔ اس کی حکمت آخری آیت میں بیان فرما دی کہ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ تم بھی اپنی زندگی سے مایوس ہو جاؤ گے۔ سورت کے درمیان میں اور بھی بہت سے نقصانات کا ذکر کیا گیا ہے۔ جو اس قسم کی دوستی سے پیدا ہوں گے۔ مگر سب سے بڑا نقصان یہ اَخلاقی نقصان ہے جو عام مایوسیت (Pessemism) کی شکل میں ظاہر ہو گا۔ یہ نقصان تمہاری موت ہے۔

''آخرۃ'' اور ''اولیٰ'' ایک دوسرے کے مقابل الفاظ ہیں۔ اگر ایک چیز کو ''اُولیٰ'' کہا جائے تو دوسری چیز کو ''آخرۃ'' کہنا چاہیے۔ دنیاوی زندگی کا ایک حصہ جو پہلے ہے، وہ ''اُولیٰ'' ہو تو جو حصہ اس کے بعد آئے گا اسے ''آخرۃ'' کہنا جائز ہے۔ گویا دنیاوی زندگی کی بھی ایک ''آخرۃ'' ہے۔ جو دوسری زندگی سے متصل ہوتی ہے۔ پس دنیاوی زندگی کا آخری حصہ اور دوسری زندگی کا پہلا حصہ آپس میں علت و معلول کا تناسب رکھیں گے۔ جس شخص کے دل میں دوسری زندگی کی کامیابی کا تصور ہو، وہ ضرور اپنی دنیاوی زندگی کے آخری حصے میں کامیابی کا یقین حاصل کرنا چاہے گا۔ ورنہ وہ علت و معلول کا تناسب قائم نہیں رہ سکے گا۔ ایک قوم اہل کتاب ہے۔ اس کی اس تعلیم نے اسے ایک فکر دیا ہے۔ اگر یہ قوم اپنی ہمت اور اس کتاب کی تعلیمات کی پابندی سے اس فکر (Idea) کو حاصل کرنے سے مایوس ہو گئی تو اس کی نسبت یہ کہنا صحیح ہے کہ يَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَةِ۔ (آخرت سے مایوس ہو گئے)

ایمان کے شعبے

تشریح: مولانا ڈاکٹر تاج افسر صاحب

عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رضی الله عنه قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اَلْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً، فَاَفْضَلُهَا قَوْلُ: لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ. وَاَدْنَاهَا: اِمَاطَةُ الْاَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ، وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْاِيْمَانِ.'' (بخاری و مسلم)

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایمان کے ستر سے زیادہ شعبے ہیں۔ سب سے اعلیٰ و افضل کلمہ توحید لَاۤ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ ہے اور سب سے نچلا درجہ تکلیف دہ چیز کا راستے سے ہٹانا ہے۔ اور حیا بھی ایمان کا شعبہ ہے۔''

ایمان بنیادی طور پر اذعان اور یقین کی کیفیت کا نام ہے۔ جس کا تعلق انسانی دل کے ساتھ ہے۔ اس کی مثال بیج کی ہے، جس سے پودا نکلتا ہے۔ شاخیں پھوٹتی ہیں۔ اور پھل لگتا ہے۔ اسی طرح ایمان کی اصل حقیقت ذات باری پر اعتماد اور یقین کا پیدا ہونا ہے۔ چناں چہ اعتماد و یقین کے درخت سے اس کی شاخیں، پتے اور پھل، اَخلاق اور رویوں کی صورت میں ظاہر ہوتے ہیں۔ چناں چہ انسانی اَخلاق اور رویوں سے ایمان کی اصل کیفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ جب ظاہری علامات اور اعمال اللہ تعالیٰ سے غفلت، بے راہ روی اور انسانیتِ عامہ کے مفاد کے خلاف ہوں تو یہ ایمان کی کیفیت کے زنگ آلود ہونے کی دلیل ہوتی ہے۔ ایسے میں انبیا علیہم السلام اور ان کی نمائندہ جماعت ان بری خصلتوں کے خاتمے کو اپنا اساسی فرض گردانتی ہے۔

اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایمان کے ستر سے زیادہ شعبے بتائے ہیں۔ عرب محاورے کے مطابق ستر کے عدد کا اطلاق کثرت پر ہوتا ہے۔ گویا ایمان کے بے شمار شعبے ہیں۔ سب سے اعلیٰ اور اساسی شعبہ، اللہ تعالیٰ سے اپنا تعلق جوڑنا اور اس کی طرف یکسو ہونا ہے۔ اور غیر اللہ سے مفادات کا تعلق ختم کرنا، اور سب سے نچلا درجہ انسانوں کے راستے سے تکلیف دہ چیز کو ہٹانا ہے۔ اس طرح ایمان باللہ کا دوسرا لازمی پہلو انسانوں کو راحت پہنچانا اور ان کی مشکلات راہ کو ختم کرنا ہے۔ سب سے اعلیٰ اور سب سے ادنیٰ شعبہ بیان کرنے سے درمیانی تمام شعبہ جات کو سمجھنا کوئی مشکل نہیں رہتا، جن میں انسانوں کے درمیان تمام سماجی معاہدوں کی پاس داری اور ان کے حقوق کی ادائیگی شامل ہے۔ عائلی زندگی اور پڑوسیوں کے حقوق کی ادائیگی، خرید و فروخت کے معاہدات، حکمران اور رعایا کے باہمی تعلقات کی درستگی، عدلیہ کا بہترین نظام، اجتماعی مظالم کے خاتمے کی جدوجہد کرنا، سب ایمان کے شعبے ہیں۔ ایمان کے تقاضے سے جب یہ حقوق ادا کیے جاتے ہیں، تو ان کے پیچھے خدا پرستی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ اور اگر انسانی اجتماع میں انسانوں کے حقوق پامال ہو رہے ہوں تو اس کے پیچھے سرمایہ پرستی کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے۔ ایمان کے ان شعبہ جات کی تعلیم اور ان پر مبنی اخلاق و رویے انبیا علیہم السلام سب سے پہلے اپنے ماننے والی مسلمان جماعت میں پیدا کرتے ہیں۔ جو ایک بہترین نظام قائم کرتی ہے۔ اس کے نتیجے میں پوری دنیا، دین اسلام کے قانون اور اس کے اخلاقیات کی گرویدہ بن جاتی ہے۔

اس حدیث کے آخری جملے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیا کا خاص طور پر ذکر کیا کہ حیا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ حیا دراصل اس کیفیت کا نام ہے، جس سے انسان میں عفت و پاکیزگی، خودداری اور دوسروں کے احترام کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس کے مقابلے میں بے حیائی ہے، جس کی وجہ سے انسانی عفت، پردہ، خودداری، اس کا رُعب و احترام جاتا رہتا ہے۔ بایں وجہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''إذا فاتک الحیاء فاصنع ماشئت'' کہ ''جب تم سے حیا ختم ہو جائے تو جو مرضی چاہے کرو۔'' گویا ترک حیا کا مطلب انسانی اقدار کی حدود، قیود کو پھلانگنا ہے۔ اس لیے انبیا علیہم السلام کو ماننے والے لوگوں پر لازم ہو جاتا ہے کہ وہ بے حیائی کے ماحول کو ختم کریں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اُسوہ انبیا کی اتباع نصیب فرمائے۔ آمین

rahnia.org

اداریہ

دہشت گردی
نظام کی پیدا کردہ لعنت

کسی بھی ملک کا نظام مملکت اپنی جغرافیائی حدود میں بسنے والے افراد کی جان، مال اور عزت آبرو کے تحفظ کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اور اس کی بنیادی ذمہ داری یہ ہوتی ہے کہ وہ اپنی قوم کے تمام افراد کے لیے امن وامان اور انسانی عزت وافتخار کا باعث بنے۔ ملکی اور قومی نظام اسی لیے تشکیل دیا جاتا ہے کہ وہ تحفظ، امن اور خوش حالی کو یقینی بنائے۔ اور اس کے راستے میں حائل ہونے والی رُکاوٹوں کو دور کرے۔ اور دہشت، خوف اور قتل وغارت گری کے ماحول کو نہ صرف یہ کہ پیدا نہ ہونے دے بلکہ اگر کچھ مفاد پرست اور انسان دشمن لوگ ایسی سفاکیت پر اُتر آئیں تو ان کا سدباب کرے۔ اور بڑی سختی سے سماج دشمن عناصر کا قلع قمع کرے۔ یہ بات کسی بھی نظام مملکت کے بنیادی فرائض میں شامل ہوتی ہے۔

ہماری بدقسمتی ہے کہ ہمارے ملک کے عوام پچھلے تقریباً تین چار عشروں سے دہشت گردی، نفرت، قتل وغارت اور خوف وبدامنی کی حالت میں زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ خاص طور پر حالیہ دور میں ایسے واقعات تسلسل کے ساتھ رُونما ہو رہے ہیں کہ ہماری سوسائٹی کے تقریباً تمام ادارے، اس قتل و غارت اور دہشت گردی کا شکار ہو چکے ہیں۔ عسکری ادارے ہوں یا سیاسی لیڈر، مذہبی رہنما ہوں یا دانش ور اور اعلیٰ تعلیم یافتہ لوگ، یہاں تک کہ قدیم روحانی بزرگوں کے مزارات تک دہشت گردی کا شکار ہو چکے ہیں۔ انسانی خون کی اس قدر اَرزانی شاید پہلے کبھی نہ ہوئی ہوگی۔ اور پھر افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ یہ سب کچھ مذہب کے مقدس نام پر کیا جا رہا ہے۔ پُرتشدد ذہنیت کے حامل لوگ ''دین اسلام'' کا نام استعمال کر کے انسانی خون بہانے کا عمل پچھلے تین عشروں سے مسلسل جاری رکھے ہوئے ہیں۔

اس کے اسباب وعلل اور بنیادی عوامل پر غور وفکر کرنا ہر جماعت اور مسلک کے سنجیدہ اور باشعور لوگوں کے لیے ضروری ہے۔ نعرے بازی کی جذباتی فضا سے ہٹ کر پورے شعور اور غور وفکر سے دہشت گردی کی اس ذہنیت کا تجزیہ کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اس کا تدارک کرنے کے لیے بڑی سنجیدگی سے بھرپور عزم اور عقل وشعور کے ساتھ صحیح لائحہ عمل اختیار کرنا وقت کی ضرورت اور بنیادی تقاضا ہے۔ سوچنے اور سمجھنے کی بات یہ ہے کہ ملک میں سرمایہ دارانہ نظام اپنے تمام تر سٹیک ہولڈرز کی پوری طاقت وقوت کے ساتھ نافذ ہے۔ اور اس کے داخلی تضادات اور خطرناک اثرات ونتائج پورے جبر وقہر کے ساتھ اس خطے کے باسیوں کو اپنی لپیٹ میں لیے ہوئے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ وہ مذہب کو اپنے آلۂ کار کے طور پر استعمال کرنے کے لیے بہت سے حربے استعمال کرتا ہے۔ یہ چیز اُسے برطانوی سامراج کے دور کے ظالمانہ نظام سے ورثے میں ملی ہے۔ حال آں کہ برعظیم پاک وہند میں اس سامراجی نظام کے تسلط سے پہلے دین اسلام کی تعلیمات نے اس خطے میں موجود مختلف مذاہب، تہذیبوں اور ثقافتوں کے ماننے والوں کو ایک وحدت دی تھی۔ امن دیا تھا۔ رواداری پیدا کی تھی۔ آج اُس دین کے ماننے والے قتل و غارت گری، دہشت گردی اور خوف کی علامت کیوں بن گئے؟

بات یہ ہے کہ نوآبادیاتی دور میں اس خطے پر جو سامراجی سرمایہ دارانہ نظام مسلط کیا گیا، اس نے اپنے اقتدار کی طوالت کے لیے، جہاں زر و دولت سمیٹنے کے حربے اختیار کیے، وہاں اس خطے کے مختلف مذاہب، ثقافتوں اور شناختوں کے درمیان تضادات اُبھارے۔ اور انھیں باہمی نفرت اور عداوت کی راہ پر ڈالا۔ اور پھر مذہب کے مقدس نام پر اس خطے میں تقسیم در تقسیم کا عمل شروع کیا گیا۔ یہ نفرتیں اور کدورتیں بڑھتے بڑھتے اس مقام پر پہنچا دی گئیں کہ گزشتہ تیس سال پہلے اس ریجن کے وسائل پر قبضہ کرنے کی دوڑ میں شامل ہونے والے سامراجی ممالک نے اپنے اپنے مفادات کے لیے پُرتشدد ذہنیت پر مبنی مسلح گروہ تیار کیے۔ مذہب کے مقدس نام پر مذہب کے دیوانوں کو گولہ بارود استعمال کرنے کا طریقہ سکھایا گیا۔ اور ''جہاد'' کے مقدس نام پر فساد وقتل وغارت گری کا بازار گرم کیا گیا۔ چناں چہ سرمایہ دارانہ مفادات کے آلہ کار طبقات بشمول سیاسی، مذہبی اور عسکری رہنماؤں نے انتہا پسندی پر مبنی اشتعال انگیز بیانات اور فتوے جاری کیے۔ اور مسلح جدوجہد کے طریقے سکھائے۔ ایسے ماحول میں ایک پوری نسل پروان چڑھائی گئی۔ گزشتہ صدی کے آخری دو عشرے اس حقیقت کی غمازی کرتے ہیں کہ ملک کے نام نہاد رہنماؤں نے نوجوان نسل کو نفرتوں پر مبنی آگ کے شعلوں کے سپرد کرنے کا کام بڑی ڈھٹائی سے کیا ہے۔ اور اس کے عوض حاصل ہونے والے ڈالروں کی جھنکار نے ان کے کانوں، آنکھوں اور دل ودماغ پر غلاف چڑھا دیے تھے۔ اور یوں سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم کر دیا۔

گزشتہ صدی کے آخری دو عشروں میں سرمایہ دارانہ نظام کے مفادات کے تحفظ کے لیے نوجوان نسل کو تشدد کے راستے پر ڈالنے اور انھیں سماجی زندگی گزارنے کے سیاسی ومعاشی آداب سے بے بہرہ کرنے کا جو کام کیا گیا، آج اسی کا نتیجہ ملک وقوم کے سماجی تانے بانے کے بکھرنے کی صورت میں ہمارے سامنے آ رہا ہے۔ سماجی زندگی کے تقاضے، سیاسی زندگی کے آداب، معاشی اور اقتصادی چیلنجز سے نمٹنے کی صلاحیت کے بجائے آج کی نوجوان نسل خودکش بمبار بن کر مسجدوں، عبادت گاہوں، بازاروں، مزاروں اور عسکری اداروں کو تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ اور سامراجی مفادات کے آلۂ کار طبقات اس دہشت گردی کی کھلی مذمت کے بجائے زبان مروڑ کر بات کرتے ہیں۔ خودکش حملے کسی بھی مذہب میں جائز نہیں ہیں۔ اور خاص طور پر دین اسلام کی امن وسلامتی کی تعلیمات اس کی قطعاً اجازت نہیں دیتیں۔ لیکن آج مذہب کے رہنما بھی دہشت گردی کی لعنت کے خاتمے کے لیے سنجیدہ کوشش نہیں کرتے۔ اور مغرب کا سامراجی اور طاغوتی نظام دہشت گردی کی آڑ میں مظلوم مسلمانوں، بلکہ دنیا بھر کے مظلوم انسانوں کو تباہ وبرباد کرنے پر تلا ہوا ہے۔ سرمایہ داری نظام کے یہ وہ کھلے اور واضح تضادات ہیں، جو عام طور پر ممالک واقوام کو ایسی ہی بھیانک تباہی کی طرف لے جا رہے ہیں۔

آج جب کہ سامراجی نظام کی پیدا کردہ دہشت گردی کی اس لعنت نے ہمارا گھیراؤ کیا ہوا ہے، ہمارے رہنما ہیں کہ خواب غفلت میں پڑے ہوئے ہیں۔ وہ صرف کسی خاص نسل یا مذہب کو بُرا بھلا کہنے یا کسی قوم کے خلاف غصہ ونفرت کا اظہار تو کرتے ہیں، لیکن اس بات پر سنجیدہ غور وفکر نہیں کرتے کہ دنیا بھر میں معاشروں کی ساخت میں نظام کی طاقت بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ اگر کسی ملک کا نظام پورے عزم و ارادے سے یہ فیصلہ کرے کہ انسانی سوسائٹی میں امن قائم کرنا ہے۔ دہشت گردی کا خاتمہ کرنا ہے۔ تو کوئی ''نان اسٹیٹ ایکٹر'' اس کے راستے کی رُکاوٹ نہیں بن سکتے۔ نظام کی طاقت کے سامنے افراد، گروہ اور جماعتیں کوئی حیثیت نہیں رکھتیں۔ نظام کی رضامندی کے بغیر کوئی گروہ، جماعت، افراد کی ٹولی اپنا کام نہیں کر سکتی ہے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ کسی عبادت گاہ یا مزار پر حملہ ہونے سے پہلے نظام سے متعلق حساس ادارے شہر میں دہشت گردوں کے داخل ہونے کی اطلاع دیں، اور دہشت گردوں کو روکنے کی صلاحیت سے محروم ہوں، یہ کیسے ممکن ہے؟ سوائے اس صورت کے کہ نظام کے داخلی ادارے خود تضادات کا شکار، کوآرڈینیشن سے محروم اور نظام وسسٹم کے بنیادی میکنزم سے آگہی نہ رکھتے ہوں۔ یا پھر اُن کی ملی بھگت سے ایسے واقعات رونما ہوتے ہیں۔ یہ بھی سسٹم کی ناکامی کی دلیل ہے۔

ہمارے سیاسی ومذہبی رہنماؤں کو بھی سرمایہ پرستانہ نظام کے دائرۂ کار سے نکل کر آزادی سے اپنی رائے قائم کرنے، مسائل کو صحیح تناظر میں سمجھنے اور شعوری بنیادوں پر معاملات کو حل کرنے کی روش اپنانا ہوگی۔ آج دہشت گردی کی لعنت کا خاتمہ کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اس کے اسباب وعلل کا تدارک کیا جائے۔ قومی زندگی کے سماجی پہلو سے آگہی نہ رکھنے والے فرسودہ طبقات کے مفادات کے حامل فرسودہ نظام کو ختم کیے بغیر ہماری قومی زندگی کی تہذیب ممکن نہیں ہوگی۔ اور یہ تب ممکن ہے کہ جب ہم اپنے نوجوانوں کو سماجی زندگی کے قومی تقاضوں کا شعور دیں۔ ان میں سیاسی شعور اور اقتصادی ویژن پیدا کریں۔ دین اسلام کی امن وسلامتی پر مبنی تعلیمات سے آگہی پیدا کریں۔ اور سیاسی، سماجی اور اقتصادی حوالے سے ایسی اجتماعی طاقت وجود میں لائیں، جو ہمارے سلگتے ہوئے مسائل کو حل کرنے کی استعداد اور مہارت سے بہرہ ور ہو۔ اور اگر ہم نے اس صبر آزما جدوجہد میں کامیابی حاصل کر لی تو ہم اپنے معاشرے کو بلاتفریق رنگ ونسل ومذہب، امن اور جان، مال، عزت وآبرو کا تحفظ فراہم کرنے میں کامیاب ہو سکیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

مدیر اعلیٰ

rahimia.org

خطبہ جمعۃ المبارک

رمضان المبارک جرأت وہمت اور عقل وشعور کا مہینہ

شیخ التفسیر والحدیث حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد صاحب

(مؤرخہ 28 اگست 2009ء، بمقام ادارہ رحیمیہ علومِ قرآنیہ، لاہور) ضبط وتحریر: مولانا محمد جمیل

نحمدهٗ ونصلي علی رسوله الکریم، امّا بعد: قال اللّٰه تعالیٰ: يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (2:183) صدق اللّٰه العظیم

معزز دوستو! حضرت الامام شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں کہ رمضان المبارک کے یہ بابرکت ایام ایسے ہیں کہ ان میں انسانی قلوب کا تعلق اللہ کی جانب بڑھتا ہے۔ اللہ کی خاص رحمتیں دنیا میں نازل ہوتی ہیں۔ اللہ کی تجلیات انسانیت کی طرف متوجہ ہوتی ہیں۔ اور اس کے نتیجے میں انسانی قلوب کا سچا تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ پیدا ہوتا ہے۔ ایسے موقع پر اپنے اندر طلب پیدا کرنا بڑا ضروری ہوتا ہے۔ دنیا میں طلب کے بغیر کوئی چیز نہیں ملتی۔ جب انسان کے دل میں محبت اور چاہت ہوتی ہے تو اس کے نتائج اور اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ماں کو اپنی اولاد سے بڑی محبت ہوتی ہے۔ اور اولاد کی تربیت کے لیے بڑی فکر مند رہتی ہے۔ لیکن اگر اولاد میں طلب نہ ہو تو وہ ماں سے بھی فیض یاب نہیں ہوسکتی۔

چوں کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انوارات اور تجلیات کا مہینہ ہے، تو اس میں ضروری ہے کہ ہمارے اندر ان انوارات کو جذب کرنے کی طلب ہو۔ اور ان سے بھرپور فائدہ اُٹھانے کی حکمتِ عملی اختیار کی جائے۔ اور اس کے نتیجے میں ہماری زندگی میں جو تبدیلی مقصود ہے، وہ پیدا ہونی چاہیے۔ اپنے آپ کو بدلنے کی فکر کرنے کی ضرورت ہے۔ وہ انسان ناکام ہوجاتا ہے، جو کہ آنے والے دنوں میں اپنے اندر تغیر وتبدل پیدا نہیں کرتا۔ اور ایک ہی جگہ پر جمود کا شکار ہوجاتا ہے۔ اس لیے حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ: ''جن لوگوں کا آنے والا دن گزشتہ دن سے اچھا نہ ہو تو وہ ہلاک ہوگئے۔'' گویا کہ ان کے لیے ترقی اور کامیابی اسی صورت میں ممکن ہے کہ وہ آنے والے دن کو زیادہ بہتر بنانے کی کوشش کریں۔ خود حضورؐ کے بارے میں قرآن حکیم نے ارشاد فرمایا کہ: ''وللآخرة خير لک من الأولیٰ'' (آپؐ کے لیے ہر بعد میں آنے والی چیز پہلی چیز کے مقابلے میں بہتر ہوتی ہے۔) اور یہ اسی وقت ہوتی ہے، جب انسان میں طلب ہو۔ اب طلب کس حوالے سے ہم نے اپنے اندر پیدا کرنی ہے، یہ بات جاننے کی ضرورت ہے۔ کیا محض کثرتِ اعمال کی طلب ہو؟ یا کیا محض مخصوص قسم کے وظائف کی طلب ہو؟ یا صرف رسمی اعمال کرنا مقصود ہے؟

اصل بات یہ ہے کہ یہ سب چیزیں ظاہری ہیں۔ اصل چیز دل ودماغ کی تبدیلی ہے۔ اپنی روح کے حوالے سے جو نتائج پیدا ہونے چاہئیں، ان کے حصول کی فکر مندی ضروری ہے۔ جیسے کہ گزشتہ جمعے میں عرض کیا گیا کہ ہم سب لوگ روحانی طور پر مریض ہیں۔ اور روح جب مریض ہوتی ہے تو اس کے علاج کی طرف توجہ کی جاتی ہے۔ جیسے انسان کا ظاہری جسم بیمار ہو تو انسان اس کے علاج کی طرف متوجہ ہوتا ہے۔ مثلاً بخار، نزلہ یا اور کوئی جسمانی عارضہ لاحق ہوگیا تو انسان فکر مند ہوتا ہے کہ اس عارضے کو دور کرنے کے لیے کسی ماہر ڈاکٹر یا حکیم سے رجوع کرے۔ اور اپنے جسم کی کیفیت کو نارمل رکھنے کے لیے اور اس کو درست بنانے کے لیے کوشش کرے۔ ایسے ہی انسان کی روح بھی بیمار ہوتی ہے۔ اور روح کے امراض کا علاج کرنا جسم کے امراض کے مقابلے میں زیادہ اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ اس لیے کہ جسم کا ایک محدود دائرہ ہے۔ اور وہ دائرہ انسان کی پچاس، ساٹھ سالہ زندگی تک محدود ہے۔ جسم نے تو اس وقت تک ہمارے ساتھ چلنا ہے۔ لیکن روح کا تعلق ہماری اس دنیا کی زندگی کے ساتھ بڑا گہرا ہے۔ اور اس زندگی کی صورت گری میں روح کا بڑا کردار ہے۔ اور اس دنیا کی زندگی میں جتنے بھی اعمال کرنے ہیں، اس کے اثرات مرنے کے بعد والی طویل ترین زندگی میں بھی ظاہر ہونے ہیں۔ اور یہ روح ان تمام مراحل میں ہمارے ساتھ رہے گی۔ اب زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ روحانی امراض کے علاج کی طرف توجہ دی جائے۔ روحانی امراض کے بارے میں پہلے بھی عرض کیا گیا تھا کہ ان امراض کا دائرۂ کار محدود نہیں ہے۔ بلکہ بڑا وسیع ہے۔

امام شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے حوالے سے یہ بات عرض کی گئی تھی کہ انسانی روح کے بنیادی طور پر تین پہلو ہیں۔ اور جب ہم روحانی مرض کہتے ہیں تو ان تینوں پہلوؤں میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔ وہ اپنے بنیادی فعل کو سرانجام دینے سے قاصر ہوجاتے ہیں۔ انسانی روح کے تین پہلوؤں میں سے ایک نفس ہے۔ اور نفس کے کچھ طبعی تقاضے ہیں۔ اور ان طبعی تقاضوں کا اعتدال کے ساتھ پورا ہونا اور انسانی جسم کی ضروریات کو پورا کرنا بڑا ضروری ہے۔ نفس کے کچھ حقوق ہیں۔ اور کچھ اس پر فرائض عائد ہوتے ہیں۔ ان حقوق وفرائض کو سمجھنا بڑی اہمیت کی بات ہے۔ اس کی تفصیل گزشتہ جمعے میں بیان کی گئی تھی۔

انسانی روح کا دوسرا پہلو قلب ہے۔ انسانی جسم میں ''قلب'' کا کام جرأت اور ہمت کے ساتھ فیصلے کرنا ہے۔ اور اپنے جسم انسانی کو وہ آرڈر جاری کرتا ہے کہ اس نے کون کون سے افعال کرنے ہیں۔ نفس نے اپنے مطالبات پیش کرنے ہوتے ہیں۔ اور ان کے بارے میں فیصلہ کرنا، یہ قلب کا کام ہوتا ہے۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ انسانی جسم کی مثال ایک حکومت اور مملکت کی ہے۔ اور اس میں مملکت کا ذمہ دار اور بادشاہ قلب اور دل ہے۔ اسی تناظر میں حضورؐ نے فرمایا کہ: ''دیکھو! انسان میں ایک گوشت کا ٹکڑا ہے۔ اگر وہ درست ہوجائے تو پورا جسم درست ہوجائے گا۔ اگر وہ خراب ہوجائے تو پورا جسم خراب ہوجائے گا۔ خبردار! وہ دل ہے۔'' (رواهُ البخاری) قلب کی صلاحیت واستعداد، یہ ہوتی ہے کہ وہ تمام حالات کا جائزہ لے کر فیصلہ کرتا ہے۔

ایک وہ لوگ ہیں، جن کے قلب کا مرض یہ ہوتا ہے کہ ان میں جرأت اور ہمت حد سے زیادہ بڑھ جائے، یہاں تک کہ وہ سفاک بن جائیں۔ قاتل بن جائیں۔ اُن کا دل ایسے ایسے فیصلے کرتا ہے کہ جو نہ صرف ان کے لیے نقصان دہ ہوتے ہیں، بلکہ دوسرے انسانوں کے لیے بھی نقصان کا باعث بنتے ہیں۔ وہ لوگوں کو غلام بنانے، پست کرنے اور ذلیل کرنے کے فیصلے کرتا ہے۔ تو گویا کہ یہ حد سے بڑھی ہوئی قوت ہے، جس کو وہ غلط استعمال کر رہا ہے، یہ اس کی مرض کی حالت ہے۔ فرعون، قارون اور شداد، یہ وہ لوگ ہیں، کہ ان کے دل کمزور نہیں تھے، بلکہ بہادر تھے، لیکن ان کی بہادری حد سے بڑھ گئی تو قوموں کو غلام بنانے کے فیصلے کرنا شروع کردیے۔ اور اس کی بالکل پرواہ نہیں کی کہ ان فیصلوں سے کتنی قومیں غلام بن جائیں گی۔ ایسے لوگوں کا علاج یہ ہے کہ ان کے تکبر کو توڑا جائے۔ حد سے بڑھی ہوئی جرأت مندی کو ختم کر کے اعتدال کی حالت پر لایا جائے۔ اور اگر باز نہ آئیں تو راستے سے ہٹا دیا جائے۔

دوسری طرف ایسے لوگ ہوتے ہیں، جن کے دل کمزور ہوگئے۔ ان میں جرأت وہمت سے فیصلہ کرنے کی قوت نہیں رہی۔ اور وہ نفس کی خواہشات کے تابع بن جائیں کہ نفس جو مطالبہ کرے تو قلب اس کے مطابق عمل شروع کردے۔ تو یہ اس کا مرض ہے۔ اسی طرح جو پست اور غلام قومیں ہیں، ان میں اگر بزدلی آگئی، ان کا قلب فیصلہ کرنے کی طاقت نہیں رکھتا۔ ان کے عام لوگوں کے دلوں میں فیصلہ کرنے کی قوت نہیں رہتی۔ بلکہ بزدلی پیدا ہوجاتی ہے۔ اس کا علاج یہ ہے کہ اس کی بزدلی کو ختم کیا جائے۔ ان میں فیصلہ کرنے کی قوت پیدا کی جائے۔ ان کا علاج یہ ہے کہ ان کے دل میں جرأت پیدا کریں۔ بہادری پیدا کریں۔ اس کو غلامی اور پستی کے نقصانات بتائے جائیں۔

تمام عبادات اور خاص کر ''روزہ'' انسانی قلب میں جرأت مندی پیدا کرتا ہے۔ بہادری اور صلاحیت پیدا کرتا ہے۔ قلب میں یہ صلاحیت پیدا ہوتی ہے کہ وہ گرد وپیش کا جائزہ لے کر درست فیصلے کرے۔ اور انسانیت کے لیے مفید کردار ادا کرے۔ اس کے نفس پر جو خواہشات کا غلبہ ہوجاتا ہے، وہ روزے سے ٹوٹتا ہے۔ اسی لیے حضورؐ نے دعا مانگی کہ یا اللہ دین کے غلبے کے لیے یا تو عمر بن خطاب دے دے یا عمرو بن ہشام دے دے۔ کیوں کہ دونوں کے قلب کی حالت طبعی طور پر مضبوط اور اعلیٰ درجے کی ہے۔ عمر کا قلب اونچے درجے کے فیصلے کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ اور وقت کے نبی کے متعلق فیصلہ کرتا ہے کہ ان کو راستے سے ہٹانا ہے۔ لیکن وہ قلب، جب حضورؐ کے قدموں میں آتا ہے تو اس میں اعتدال پیدا ہوجاتا ہے۔ اور اب وہ قلب کمزور لوگوں کے لیے نرم اور دشمنوں کے لیے سخت ہے۔

انسانی روح کا تیسرا پہلو ''عقل'' ہے۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ عقل کا کام گردوپیش کے حالات کا تجزیہ کرنا ہے۔ معلومات جمع کرنا اور دل کو مطلع کرنا کہ یہ چیز جسم انسانی کے لیے فائدہ مند یا نقصان دہ ہے۔ تو گویا کہ حقائق کا ادراک کرنا عقل کا بنیادی کام ہے۔ اگر عقل اس سے روگردانی کرے اور حقائق کا تجزیہ کرنے میں دھوکہ کھا جائے تو یہ عقل کی بڑی خرابی ہے۔ اور عقل میں یہ بہت بڑا نقص ہے کہ اس نے گردوپیش میں موجود حقائق کا درست طور پر تجزیہ نہیں کیا۔ اور اس نے اپنی صلاحیت واستعداد کا درست استعمال نہیں کیا۔ اگر عقل، نفس کے تابع بن جائے۔ اور جو بھی نفس کی خواہش ہو، اس کو مان لے۔ اور دل کو اس پر عمل کرنے پر مجبور کرے اور دل کو غلط قسم کے دلائل اور مشورے دینا شروع کردے تو یہ ''عقل'' کا مرض ہے۔

دنیا کا سامراج جب قوموں پر تسلط حاصل کرتا ہے تو کہتا ہے کہ ہم جمہوریت کا نفاذ کرنے آئے ہیں۔ ہم عدل وانصاف قائم کرنے جارہے ہیں۔ یہ نہیں کہا جاتا کہ ہم انسانوں کو قتل کرنے جارہے ہیں۔ اب ان کے دل نے جو غلط فیصلے کرنے ہیں، تو عقل اس کی آلۂ کار بن کر غلط دلائل مہیا کرتی ہے۔ درست عقل تو وہ ہوگی، کہ حقائق کی بنیاد پر فیصلے کرے۔ حق وباطل میں فرق واضح کرے۔ اب یہ عقل انسانی روح کا اہم ترین حصہ ہے۔ اس کو شعور دینے کی ضرورت ہے۔ یہ کمزور دل اور کمزور نفس کے تابع نہ بن جائے۔ اسی لیے قرآن حکیم نے بہت سارے مقامات پر عقل کو درست استعمال کرنے پر زور دیا ہے۔ حضوؐر نے فرمایا کہ مخلوقات کو پیدا کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے عقل کو پیدا کیا۔ اور اس کو اپنے سامنے بلا کر فرمایا: ''اَقبل'' سامنے آجاؤ۔ تو وہ سامنے آگئی۔ پھر فرمایا کہ: ''اَدبر'' پیچھے چلی جاؤ۔ وہ پیچھے چلی گئی۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تیری بنیاد پر انسانیت کے لیے فیصلے کروں گا کہ جو انسان تجھے استعمال کرے گا، اس کے لیے جنت ہے۔ دنیا کی سزا وجزا اور آخرت کی جزا وسزا کا تعلق عقل کے ساتھ ہے۔ تو گویا کہ عقل انسانی روح کا اہم ترین پہلو ہے۔ تو جب تک عقل کو درست نہ کیا جائے تو روح کیسے ٹھیک ہوگی۔

اب اس عقل کے بھی بہت سارے امراض، کمزوریاں اور کوتاہیاں ہیں۔ تو جب ہم کہتے ہیں کہ انسان روحانی طور پر مریض ہے تو اس کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ انسانی عقل مریض ہے۔ اس کی عقل میں خرابی پیدا ہوگئی ہے۔ اس کو ٹھیک کرنے کی ضرورت ہے۔ اور اس عقل کو اعتدال پر لانے کے لیے انبیا علیہم السلام کی تعلیمات بنیادی کردار ادا کرتی ہیں۔ تمام عبادات کا ایک نتیجہ اور اثر یہ ظاہر ہوتا ہے کہ انسانی عقل درست ہوتی ہے۔ یہ روزہ انسان کی عقلی صلاحیتوں کو اُجاگر کرتا ہے۔ اس کے اندر اعلیٰ شعور پیدا کرتا ہے۔ مکروفریب کو سمجھنے اور اس سے بچنے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے۔

اب بہترین انسان وہ ہے، جو کہ ان تینوں دائروں میں ایسا اعتدال اور توازن قائم کرے کہ انسان کا نفس، قلب کے تابع اور قلب، عقل کے تابع ہو اور عقل وحی کے تابع ہو تو گویا کہ انسانی نفس کی صلاحیت بہتر انداز میں اس وقت ظاہر ہوگی، جب کہ اس کے قلب کی حالت عمدہ ہو۔ اور قلب اس وقت درست فیصلے کرے گا، جب کہ انسانی عقل درست انداز میں حقائق کا تجزیہ کرے گی۔ اپنے شعور کو بلند کرے گی۔ گردوپیش کے ماحول سے دھوکہ نہیں کھائے گی۔ عقل کو دل پر حاوی ہونا چاہیے۔ اور قلب اس کے مطابق فیصلہ کرے۔ اب یہ اعتدال وتوازن پیدا کرنا، دراصل تمام عبادات کا مقصد ہے۔

امام شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں کہ تمام عبادات اور تمام احکام شریعت کا مقصد یہ کہ نفس پر قلب کو حاکم بنانا اور قلب پر عقل کو حاکم بنانا۔ تو گویا کہ سب سے اہم ترین کام عقل کو درست کرنا ہے۔ اور شعور کو بلند کرنا ہے۔ شاہ عبدالرحیم رائے پوری سے پوچھا گیا کہ تصوف، دین اور قرآن کی تعلیمات کا نتیجہ کیا ہونا چاہیے۔ تو حضرتؒ نے فرمایا کہ: ''تصوف کا آخری اور لازمی نتیجہ دینی شعور کا پیدا ہونا ہے۔''

انسان خواہ کتنا ہی نیک کیوں نہ ہو، اگر اس کو سیاسی اور معاشی عقل نہیں اور حقائق کا تجزیہ کرنے کی صلاحیت نہیں ہے تو اس کی یہی عبادت سامراج کے لیے آلۂ کاری کے لیے بھی استعمال ہوسکتی ہے۔ اسی لیے صوفیا کرام نے اس پر بڑی تفصیل سے بحث کی ہے۔ کہ انسان کی تعلیم وتربیت اسی وقت ممکن ہے، کہ وہ صاحب بصیرت بن جائے۔ خود قرآن نے فرمایا کہ: ''متقی وہ لوگ ہیں، کہ جب ان کے اردگرد شیطانی جال بُنا جاتا ہے، سامراجی طاقتیں اس کے اردگرد مکروفریب کا جال بُنتی ہیں تو وہ عقل و شعور سے اس کو جان جاتے ہیں۔'' (201:7) پھر شیطان سے مراد صرف ابلیس اور جن یہی نہیں ہیں، بلکہ قرآن حکیم نے فرمایا کہ: ''ہم نے ہر نبی کے دشمن شیطان اور انسان دونوں میں سے بنائے ہیں۔''

اور حضرت جنید بغدادیؒ نے صوفی کی تعریف یہی کی ہے کہ صوفی وہ ہوتا ہے، جو صاحب بصیرت ہو۔ جو دھوکہ نہیں کھاتا۔ جو اپنی عقل وشعور کو استعمال کرتا ہے۔ جو حقائق کا ادراک کرتا ہے۔ اس کا قلب بہادر ہوتا ہے۔ جس کے نفس میں حقوق کی پہچان ہوتی ہے۔ اور پھر ان حقوق کو ادا کرنے کے لیے ہمت اور جرأت مندی ہوتی ہے۔ صوفی بے وقوف اور احمق کا نام نہیں کہ جو مرضی اس کو ہانک کر لے جائے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ، حضرت بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، یہ وہ صوفیا تھے، جن کے قلوب بہادر، انسانی معاشرے کا ادراک کرنے والے تھے، اسی کا نام تربیت ہے۔

اس رمضان المبارک کا اثر اور نتیجہ کیا ظاہر ہونا چاہیے، قرآن حکیم نے خود فرمایا کہ تاکہ تم پرہیزگار اور متقی بن جاؤ۔ اور متقی وہ ہے، جس کی عقل بلند ہو۔ دل بہادر ہو۔ اور نفس میں حقوق کی پہچان ہو۔ اور ان کو ادا کرنے کی حکمت عملی ہو۔ آج زوال کے دور میں متقی کا معنی ہم یہ سمجھتے ہیں کہ جو انسان معاشرے سے کٹ جائے، سیاسی اور معاشی اُمور سے لاتعلق ہوجائے۔ دنیا سے کنارہ کشی اختیار کرلے، حال آں کہ ایسی بات نہیں ہے۔ نیکی اور تقوے کا اعلیٰ معیار انبیا علیہم السلام کا ہوتا ہے۔ جن کا قلب بہادر ترین ہوتا ہے۔ متقی کی اعلیٰ ترین مثال حضرت ابوبکر صدیق، حضرت عمر، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم ہیں۔ ان کے بعد تابعین اور تبع تابعین اور آئمہ مجتہدین ہیں۔ جنھوں نے دین کے غلبے کے لیے کوشش اور جدوجہد کی۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اللہ تعالیٰ سے دعا مانگتے ہیں کہ: ''اللھم أعطنی ملکا کبیرا۔'' ''یا اللہ! ہمیں بہت بڑا ملک عطا کر۔'' یعنی عالم گیر حکومت قائم فرما۔ اصل بات یہ کہ آج غلامی کے دور میں تقوے کا ایک محدود اور سطحی دائرہ بنا دیا گیا، یہ قطعاً غلط ہے۔ آپ دیکھیں کہ دنیا میں ہم ان لوگوں سے چیزیں سیکھتے ہیں، جو اپنے شعبے میں ماہر ترین ہوں۔ لیکن ہم دین سیکھتے ہیں کمزور لوگوں سے، جو لوگوں کو پستی کی تعلیم دیتے ہیں۔

کوئی دانش ور تقریر کرنے لگے اور دین کے نام پر لوگوں پر اپنی پست ذہنیت اور غلامانہ سوچ کو مسلط کرنا چاہتا ہے، کیا ہم اس کو اپنا لیڈر تسلیم کرلیں۔ اور اس کے پیچھے دوڑنے لگ جائیں۔ نہیں! بلکہ ہمیں ان لوگوں کی رہنمائی کی ضرورت ہے، جو کہ اولوالعزم ہوں۔ جن کا قلب بہادر ہو۔ اگر ہم نے معیار کو سامنے رکھنا ہے تو صحابہ کرامؓ کے کردار کو سامنے رکھنا ہوگا۔ تابعین اور خواجہ معین الدینؒ اجمیری، خواجہ نظام الدین اولیاؒ، بابا فرید الدینؒ گنج شکر، بہاؤالدین زکریا ملتانی رحمہم اللہ کو سامنے رکھنا ہے۔ اور ان کے بعد امام شاہ ولی اللہؒ سے لے کر شاہ عبدالقادر رائے پوری تک تمام اسلاف کو سامنے رکھنا ہے کہ ان کے قلوب کی حالت کیا تھی، کس انداز میں انھوں نے اپنا کردار ادا کیا۔ اور ہم نے یہ بھی دیکھنا ہے کہ صحابہ کرامؓ سے لے کر ان بزرگوں تک تمام حضرات نے اگر روزے رکھے تو اس نے ان پر کیا اثرات مرتب کیے۔ روزے کی تعلیمات کا ان کے دل پر کیا اثر ہوا۔ اور ان کے عقل، قلب اور نفس پر کیا اثرات مرتب ہوئے۔

اصل میں ایک ایسی جماعت کی ضرورت ہوتی ہے، جو کہ ان اسلاف کے نقش قدم پر چلنے والی ہو۔ یہ نہیں کہ کثرت کے پیچھے چل پڑو۔ کثرت کی مثال تو بھیڑ بکریوں کی طرح ہے۔ حضوؐر نے فرمایا کہ: ''لوگ سواونٹوں کی طرح ہیں۔ جن میں سے کوئی ایک اونٹ ہی سواری کے قابل ہوتا ہے۔'' ایسی صورت حال میں ایک تربیت یافتہ جماعت کی ضرورت ہوتی ہے۔ جو کہ دین کے غلبے کے لیے عالمی سطح تک اپنا کردار ادا کرے۔ اور کسی سامراجی طاقت کو اپنے سامنے کوئی حیثیت دینے کے لیے تیار نہ ہو۔ دنیا کی کوئی طاقت اس کو مرعوب نہ کرسکے۔ دنیا کا کوئی لالچ اس کے پاؤں میں کوئی لغزش پیدا نہ کرسکے۔ دنیا کی کوئی طاقت اس کی آزادی اور حریت کو سلب نہ کرسکے۔ دور جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ قریب زمانے میں حضرت مدنیؒ، حضرت سندھیؒ، حضرت مفتی کفایت اللہؒ، یہ وہ حضرات ہیں کہ سامراجی طاقت ان کا گھیراؤ کرتی ہے، لیکن یہ جماعت اس کا بڑی استقامت کے ساتھ مقابلہ کرتی ہے۔ (بقیہ صفحہ نمبر 8)

ولی اللٰہی جماعت

کی جدوجہد اور نوجوانوں کا کردار

خطاب: حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری دامت برکاتہم العالیہ
(مؤرخہ: 9 مارچ 2010ء، بروز منگل کو محترم ڈاکٹر لیاقت علی شاہ صاحب کے مکان پر سکھر میں ایک سیمینار منعقد ہوا۔ جس میں حضرت اقدس رائے پوری مدظلہ العالی نے درجِ ذیل خطاب فرمایا۔)

خطبۂ مسنونہ کے بعد فرمایا: میرے عزیز دوستو! آپ کو معلوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دین حق پر ایک سچی جماعت قیامت تک قائم رہے گی۔ میرے دوستو! آج جس سلسلے کا یہ پروگرام ہے، امام شاہ ولی اللہؒ اور ان کے تسلسل سے ہم تک جو بات پہنچی ہے، وہ اتنی اہم اور تاریخی ہے کہ ہمیں اس تحریک کا شعور حاصل کرنا ہوگا۔ جو ایک عظیم نظریے کے ساتھ چلی ہے۔ اور جس میں مسلسل قربانیاں ہیں۔ بالاکوٹ کی قربانیاں آپ کے سامنے ہیں۔ یہ سارے خانقاہوں کے بزرگ، جن کی بڑی بڑی خانقاہیں ہیں۔ اور ان کے خلفا ہیں۔ وہ ان سب کو لے کر آزادی کی جنگ لڑنے کے لیے میدان میں آگئے۔ اور صحابہ کرامؓ کا اُسوہ زندہ کردیا۔

میرے دوستو! آپ اُس بصیرت کا اندازہ لگائیں کہ جو 1803ء میں شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے بڑے بیٹے شاہ عبدالعزیز دہلویؒ میں اللہ تعالیٰ نے پیدا فرمائی کہ جب انگریز سامراج اپنے نظام کے قیام کا اعلان کرتا ہے تو شاہ عبدالعزیز دہلویؒ نے اسی وقت انگریز کے خلاف اعلانِ جہاد کردیا۔ اب یہ بات عام علما کو سمجھ میں نہیں آئی۔ بلکہ انھوں نے سمجھا کہ ہماری مساجد اسی طرح ہیں، ہمارے مدارس اور خانقاہیں اسی طرح ہیں اور ہماری عبادات میں کسی قسم کی رُکاوٹ نہیں، لیکن امام شاہ عبدالعزیز دہلویؒ کی نگاہِ بصیرت میں یہ بات تھی کہ اگر ہم آج انگریز کا غلبہ قبول کرلیتے ہیں تو یہ ہماری مساجد، مدارس اور خانقاہیں بے روح ہوکر رہ جائیں گی۔ ان کا کوئی اثر اور نتیجہ ظاہر نہیں ہوگا۔

آج آپ اس جگہ اور ملک کا تجزیہ کرلیں کہ اسلام کے نام پر جو ملک بنایا گیا اور جس کا نام "اسلامی جمہوریہ" ہے۔ آج اس ملک میں مساجد کا کیا کردار ہے؟ کیا یہ مساجد ظلم کے نظام کو نقصان پہنچا رہی ہیں؟ کیا ہماری خانقاہیں اس ظالمانہ نظام کے خلاف شعور دے رہی ہیں؟ ہمارے مدارس کون سے علما پیدا کر رہے ہیں، جو ہمیں اس ظالمانہ نظام سے نجات دے دیں؟ حال یہ ہے کہ یہ سب کے سب اس نظام کے آلہ کار بنے ہوئے ہیں۔ اور آج تمام مذہبی جماعتوں پر مایوسی چھائی ہوئی ہے، وہ کہتے ہیں کہ اب تو قیامت آئے گی۔ اب کچھ نہیں ہوسکتا۔ اب تو امام مہدی اور عیسیٰ علیہ السلام آئیں گے تو اس وقت اسلام کا دور آئے گا۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ قرآن حکیم جیسی کتاب اور اس پر صحابہ کرامؓ کی عملی سیرت کے ہوتے ہوئے ہم ایسے کچھ نہ ہوسکنے والے مایوسی کے نظریے کا شکار ہوجائیں۔

میرے دوستو! یہ ساری باتیں قیامت کی علامات ہیں۔ اور جس چیز کی علامت ہوتی ہے تو اس کا علاج بھی ہوتا ہے۔ کوئی بھی ڈاکٹر صاحب جب کبھی مرض کو تلاش کریں گے تو پہلے اس کی علامات تلاش کریں گے۔ اور علامات کا ہونا تو اس مرض کے علاج کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ جب قیامت کی علامات بتائی جاتی ہیں تو اس وقت علمائے حق کی ذمہ داری ہے کہ ان علامات سے اللہ تعالیٰ کی ناراضگی ہوتی ہے۔ چناں چہ وہ اس نظام کا مقابلہ کریں اور اس میں تبدیلی لائیں۔ اس طرح دنیا کی عمر بڑھ جاتی ہے۔ اور قیامت دور ہوجاتی ہے۔ ہمارے سامنے حضورؐ کا اُسوۂ حسنہ ہے کہ حضورؐ ارشاد فرماتے ہیں کہ: "مجھے اس وقت مبعوث کیا گیا، جب قیامت آنے والی تھی۔" ساری دنیا میں مذاہب فیل ہوچکے تھے۔ اور ظلم کی حمایت کرتے تھے۔ حضورؐ اور آپ کی تربیت یافتہ جماعت نے جو کام کیا، اس کے ذریعے معاشرے میں انقلاب برپا ہوگیا۔ اور قیامت کی تمام علامات ختم ہوگئیں۔ انصاف، عدل اور اچھے اَخلاق کا غلبہ ہوگیا۔ تو قیامت ہزاروں سال لیٹ ہوگئی۔ اس لیے ایمان والی جماعت کا درست نظریے پر کام کرنا تو دنیا کی عمر بڑھانا ہے۔ اس سے تو قیامت دور ہوجاتی ہے۔

ایک اور دھوکہ، جس کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ غلط کام، مثلاً ظلم، دھوکہ، جھوٹ اور استحصال تو پاکستانی کر رہے ہیں۔ تو قیامت تو یہاں آنی چاہیے، یہ قیامت کبریٰ تو نہ ہوئی اور جن ممالک کا نظام درست ہے تو ان پر قیامت ہمارے اعمال کی وجہ سے کیوں آئے۔ اور یہ عذابِ الٰہی، جس میں ہم مبتلا ہیں، یہ دراصل قیامت ہی ہے۔ معاشی تنگی، خوف، بداَمنی، قتل و غارت گری اور سامراج کی مداخلت اور تسلط یہ سب عذاب ہیں۔ اس سے بڑھ کر قیامت کیا ہوگی۔ قیامت کبریٰ تو اس وقت آئے گی، جب دنیا میں انصاف کا نظام کہیں بھی نہ ہو۔

چوں کہ ہمارے سامنے حضورؐ اور صحابہ کرامؓ کا اُسوہ موجود ہے تو ہمیں زیادہ جذبے کے ساتھ کام کرنے کی ضرورت ہے۔ اور زیادہ جدوجہد کے ساتھ نوجوان کو اس ظالمانہ ماحول سے نکال کر انصاف کے انقلاب کی طرف متوجہ کرنے کی ضرورت ہے۔ حضورؐ نے فرمایا کہ فاسد مذہبی طبقہ بھی علاماتِ قیامت میں سے ہے۔ جب کہ وہ علمِ دین کو دنیا اور معاش کمانے کے لیے پڑھے گا۔ تو اس علم کا اثر ختم ہوجائے گا۔ حضورؐ نے فرمایا کہ جب نظام ظالمانہ ہو۔ اور وہ نظام علمائے سو پیدا کردے اور پھر دنیادار پیر اور حکمران پیدا ہوجائیں تو یہ تینوں طبقے مل کر انسانیت دشمنی کا کردار ادا کریں گے۔ اس لیے اہل حق سے جوڑنا اور اُن علمائے حق کا نوجوانوں میں تعارف کرانا اور ان کی قربانیاں بیان کرنا ضروری ہے، جن کو یہ نظام چھپاتا ہے، تاکہ اس نوجوان کے سامنے علما کا باکردار طبقہ آئے، جو کہ صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پر چلنے والا ہے۔ اور نوجوان ان سے وابستہ ہوکر اپنے نظریے اور نظام میں نئے جذبے کے ساتھ آگے بڑھیں۔ یہ دور کا بہت بڑا تقاضا ہے۔

ماشاءاللہ تعالیٰ! یہ امام شاہ ولی اللہؒ کی تحریک ہے۔ اس کے پیچھے کتنی قربانیاں ہیں، جن کو بیان نہیں کیا جاتا۔ آج کہا جاتا ہے کہ 1857ء میں جنگ ناکام ہوگئی، حال آں کہ ناکام تو وہ ہوتی ہے، جس کا سلسلہ آگے نہ ہو۔ جب کہ اس تحریک میں تو آپ دیکھیں گے کہ بالاکوٹ کے میدان میں اگر یہ حضرات شہید ہوگئے تو اگلی محنت سے 1857ء میں آزادی کا انقلاب پورے ملک میں پھیل گیا۔ اور اس میں اگر چند غداروں کی وجہ سے عارضی ناکامی ہوئی تو اس کے بعد بھی علمائے حق نے آزادی کی تحریک کا تسلسل جاری رکھا۔ اور یہاں تک کہ اس تحریک نے اس ملک سے انگریز سامراج کو جانے پر مجبور کردیا۔ اور اس تحریک سے ہندوستان میں پورا سسٹم تبدیل ہوگیا۔ لہٰذا آج اُس ملک کا معاشرہ ترقی کر رہا ہے۔ لیکن ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ ہمارے اوپر وہی لوگ مسلط ہیں، جو کہ انگریز کے نظام کی پیداوار ہیں، یعنی جاگیردار اور سرمایہ دار۔ وہ ہم پر ہماری بے شعوری کی وجہ سے مسلط ہیں۔ اور اگر ہم اس چھوٹی سی جماعت کو دفع نہیں کریں گے تو یقیناً ہم پر عذاب آتا چلا جائے گا۔

اس لیے آج بڑی ضرورت ہے کہ ہم صحابہ کرامؓ کے اُسوۂ حسنہ پر چلیں۔ کیوں کہ ایک وقت ایسا آئے گا کہ بہت ساری جماعتیں بن جائیں گی۔ اور تمام دعویٰ کریں گی کہ ہم حق پر ہیں۔ لیکن ان کا نظریہ درست نہیں ہوگا۔ کوئی ایک عقیدے کی بات کرے گا۔ کوئی دوسرے عقیدے کی بات کرے گا۔ کوئی اصلاح کی بات کرے گا۔ جو جماعت ظالم کو مغلوب کرنے اور عدل و انصاف کو غالب کرنے کے لیے کام کرے گی، درحقیقت وہ جماعت ایسی ہوگی کہ جس کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا کہ: "ما أنا علیہ و أصحابی" یعنی جو جماعت میرے اور میرے صحابہ کرامؓ کے راستے پر ہوگی۔ وہ درست ہوگی۔ اس لیے آج ہمیں یہ فیصلہ بڑی جلدی کرلینا چاہیے کہ صحابہ کرامؓ کے نقشِ قدم پر چلنے والے کون سے علما ہیں۔ امام شاہ ولی اللہؒ کا یہ سارا تسلسل اسی نظریے پر قائم ہے کہ ظالمانہ نظام کو شکست دینی ہے۔ اور عدل و انصاف کا انقلاب برپا کرنا ہے، جس سے اللہ تعالیٰ راضی ہوجائیں، کیوں کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم پر کفر و شرک کی وجہ سے عذاب نہیں نازل کرتے۔ بلکہ کفر و شرک پر تو قیامت کے بعد آخرت میں سزا ملے گی۔ دنیا میں تو عذاب ظلم پر آتے ہیں۔ جب تک دنیا میں عدل، انصاف اور سچائی کا نظام قائم رہے گا، عذاب نہیں آئے گا۔ خواہ یہ نظام مسلمان قائم کریں یا عیسائی اور یہودی قائم کریں۔

آپ اندازہ لگائیں کہ اتنی بات واضح ہونے کے باوجود ان لوگوں کو یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔ اس

لیے ضرورت ہے کہ ہمیں مایوس ہوکر نہیں بیٹھنا، بلکہ عقل وشعور کے ساتھ حالات اور ظالمانہ نظام کا مقابلہ کرنا ہے۔ اور اگر آپ نے آج کسی بھی جماعت کی پہچان کرنی ہو تو صحابہ کرامؓ کے نظریے اور سیرت سے اُس کا موازنہ کریں کہ کیا اس جماعت کا نظریہ صحابہ کرامؓ جیسا ہے۔ ظلم اور ناانصافی کو مغلوب کرنے کا ہے یا ان کا اصلاحی اور فرقہ پرستی کا نظریہ ہے۔ یہ سب لوگ دراصل مذہب کو فیل اور بدنام کرنے والے ہوتے ہیں۔ علمائے سو پر مبنی موجودہ مذہبی طبقے کا کردار اس قابل نہیں کہ وہ نوجوان طبقے کو درست رہنمائی دے سکے۔ بڑے افسوس کی بات ہے کہ پاکستان اسلام کا نام لے کر بنایا۔ اور یہاں جاگیرداروں اور سرمایہ داروں کو سیاست اور نظام پر مسلط کر دیا گیا۔ اسی ظالمانہ نظام کو باقی رکھ کر ہم مساجد اور مدارس میں بیٹھ گئے۔ اور ہم نے اس نظام کو دین کے مطابق تبدیل نہیں کیا۔

اسلام میں تو ہمیشہ ایک ہی نظامِ تعلیم رہا ہے۔ دو نظامِ تعلیم کبھی بھی نہیں رہے۔ آج کالج اور یونیورسٹی وکیل تیار کرتی ہے تو ہمارا مدرسہ اور مسجد وکیل کیوں نہیں تیار کرتے۔ اسی طرح ہمارا کالج سرمایہ داری نظام کے ماہرین معاشیات پیدا کرتا ہے تو اسلام کے معاشی نظام کے ماہر کیوں نہیں پیدا کرتا۔ دو نظامِ تعلیم پیدا کرنے کا مقصد یہ تھا کہ دونوں آپس میں لڑتے رہیں اور مدارس ومساجد سے وابستہ لوگ فرقہ واریت میں مبتلا رہیں، تاکہ سسٹم اور نظام کے خلاف کوئی کام نہ کر سکیں۔ آج ہمارے نوجوان کو نرسری سے لے کر گریجویشن تک کالج کے ماحول میں رکھ کر دین کے نظریے سے دور کر دیا جاتا ہے۔ تو وہ نوجوان جب دین سے دور ہو گیا اور عیاشی میں مبتلا ہو گیا تو اس میں دین کے نظریے کے مطابق تبدیلی لانا کتنا مشکل ہے۔ آج نظام کے ذریعے سے ہمارے نوجوان کو سو فی صد خراب کیا جاتا ہے۔ جب کہ ہماری مذہبی جماعتیں ساری محنت کرنے کے باوجود پانچ فی صد تک بھی نہیں پہنچ سکتیں۔ اس لیے آپ نے دیکھا کہ اصلاحی نظریے نے مذہبی طبقے کو فیل کر دیا۔ آج مسلمانوں کے ملک میں مساجد سے صرف پانچ فی صد کا تعلق ہے۔ جو پچانوے فی صد طبقہ مسجد میں نہیں آتا۔ اس کی اصلاح کیسے ہوگی؟ گویا کہ ہمارا مسجد والا طبقہ نظام کے حوالے سے اتنا بے شعور ہے، کہ وہ نوجوان کو نظامِ حیات کے سیاسی اور معاشی پہلوؤں کے بارے میں مطمئن نہیں کر سکتا۔ اس لیے سوائے چند رسمی عبادات کے باقی سارا تعاون نظام کے ساتھ ہو جاتا ہے۔

کتنی افسوس کی بات ہے کہ ہم تہذیبی فرق کو سامنے رکھ کر اپنے آپ سے نوجوان کو دور کر دیتے ہیں۔ کہ یہ نوجوان پتلون پہنتا ہے۔ انگریزی بال رکھتا ہے۔ ٹی وی دیکھتا ہے۔ حال آں کہ یہ سب چیزیں تو اس کو یہ نظام اور سسٹم سکھاتا ہے۔ اس کا کیا قصور ہے؟ آج ضرورت ہے کہ اس نوجوان سے محبت کی جائے۔ اس کو قریب کر کے دین کا نظریۂ عدل وانصاف اس کو سمجھایا جائے۔ تاکہ وہ سامراج سے آزادی حاصل کرنے کا جذبہ اپنے اندر پیدا کرے۔ یہ وقت کی بہت بڑی ضرورت ہے۔ جیسا کہ ایک مریض میں کئی امراض ہو سکتے ہیں، تو ڈاکٹر پہلے اس مرض کا علاج کرے گا، جو کہ زیادہ خطرناک ہے۔ آج ہم نے اپنی نوجوان نسل کو اپنے قریب کرنے کے بجائے دور کر دیا۔ دین کی اصل طاقت تو نوجوان ہے۔ ہم نے اپنی غلط حکمتِ عملی کی وجہ سے اس کو محروم کر دیا۔ ظالمانہ نظام اور باطل فرقے نوجوان کو بے شعور بنا کر اپنا آلۂ کار بناتے ہیں۔ حال آں کہ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ تمہیں ایک ایسی جماعت بنانی چاہیے، اس کی ایسی تربیت کرنی چاہیے، جو کہ نہ جھکے اور نہ بکے۔ انسانیت دوستی کا جذبہ اس کے اندر موجود ہو۔ دشمن پر اس کا رُعب پیدا ہو جاتا ہے۔ جو جماعت باشعور ہوگی، اہلِ حق سے وابستہ ہوگی تو دشمن اس سے ڈرتا ہے۔

آج حالت یہ ہے کہ مسجد سے وابستہ آدمی سب سے زیادہ ڈرپوک ہوتا ہے۔ دین دار طبقہ سب سے زیادہ خوف زدہ ہوتا ہے۔ کیوں کہ وہ دنیا دار سے مرعوب ہو گیا۔ حال آں کہ اس کا رُعب ہونا چاہیے تھا۔ دوسری جگہ پر ارشاد فرمایا کہ جو جماعت سچی ہوتی ہے، ہم دشمن کے دل میں اس کا رعب پیدا کر دیتے ہیں۔ حضورؐ فرماتے ہیں: میرے عمر بن خطاب جس طرف رُخ کرتے ہیں تو شیطان بھاگ جاتا ہے۔ ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت شیخ الہندؒ ایک مولوی ہیں۔ لیکن دشمن پر نظر ہونے کی وجہ سے اور باشعور ہونے کی وجہ سے دشمن پر اتنا رعب ہے کہ انگریز کہتا ہے کہ اگر اس کو جلا کر راکھ کر دیا تو اس کی راکھ میں سے ایسے جراثیم نکلیں گے جو انگریز کو کھا جائیں گے۔ حضرت شیخ الہندؒ کے شاگرد مولانا عبیداللہ سندھی ایک نومسلم ہیں۔ کوئی خاندان اور برادری نہیں۔ کوئی شاگردوں کی لائن نہیں، لیکن ولی اللّٰہی تحریک سے تعلق کی وجہ سے اتنا رعب ہے کہ جب جلاوطنی کی زندگی گزار رہے تھے تو جمعیۃ علمائے ہند وغیرہ نے مطالبہ کیا کہ ان کو ہندوستان میں آنے کی اجازت دی جائے تو وائسرائے کہتا ہے کہ میری مجال نہیں کہ میں ان کو اجازت دوں، کیوں کہ وہ تو پورے انگلستان کے دشمن ہیں۔ ہاں میں سفارش کر سکتا ہوں۔ چناں چہ اس نے سفارش کی اور پھر انگلستان نے مشروط اجازت دی۔

ہماری بدقسمتی اور بے شعوری کی حالت یہ کہ وہ شخصیت جس کے تجربے کے پچیس سال جلاوطنی میں شیخ الہندؒ کے مشن پر گزرے۔ ان کے بارے میں ہمارا بے شعور مذہبی اور سیاسی طبقہ کہتا ہے کہ وہ پاگل تھے۔ ان کا دماغ خراب ہو گیا تھا۔ حال آں کہ حضرتؒ نے مکہ میں بارہ (12) سال تک کتابیں اور تفسیریں پڑھائیں۔ اس ''پاگل'' سے انگریز ڈر رہا ہے کہ اگر اس کو یہاں بلائیں گے تو پتہ نہیں کون سا انقلاب برپا ہو جائے گا۔ تو اصل بات شعور اور کردار کی ہے۔ حضرتؒ مدنی اور مفتی اعظم مفتی کفایت اللہؒ کو دیکھو کہ یہ چند حضرات ہیں، اور ان کی تربیت ایک خاص نظریے پر ہوتی ہے تو کیا نتائج نکلتے ہیں۔ سامراج اتنی بڑی طاقت ہونے کے باوجود ان کو دبا سکا، نہ ان کو خرید سکا۔

آج ہم 60 سال تک اپنی قوم کے لیے اس قسم کا اچھا کام کیوں نہیں کر سکے؟ اس لیے کہ ہمیں تو آزادی حاصل نہیں ہوئی۔ آج سب سے ضروری بات یہ ہے کہ ہم اپنے ملک کو سامراجی مداخلت سے نجات دلائیں۔ اگر ہمیں حقیقی آزادی حاصل ہوتی تو ہمارا نظامِ تعلیم قومی تقاضوں کو پورا کر رہا ہوتا۔ حال آں کہ ہمارا نظامِ تعلیم اسی راستے پر چل رہا ہے، جس پر انگریز نے چلایا تھا۔ ساٹھ سالوں میں اتنے نوجوان اس نظامِ تعلیم سے نکلے ہیں کہ ان کو درست کرنا ہمارے لیے ممکن نہیں رہا۔ وہ لوگ جن کی ملازمتیں اور مفادات اس نظام سے وابستہ ہیں، وہ کبھی بھی اس نظام کو تبدیل کرنے پر تیار نہیں ہوں گے۔ اس لیے پہلے ہمیں آزادی حاصل ہو اور پھر سرمایہ داری نظام تبدیل ہونا چاہیے۔ سرمایہ داری نظام کی سیاست ومعیشت کے ہوتے ہوئے ہم کہیں کہ جمہوری انقلاب آجائے، کبھی بھی نہیں آسکتا۔

اللہ تعالیٰ ہمارے نوجوان میں آزادی کا جذبہ پیدا کرے کہ وہ اپنی قوم کو آزاد کرائے۔ اپنی قوم کو معاشی تنگی سے نکال کر خوش حال بنائے۔ لڑائی جھگڑوں سے نکال کر امن اور محبت کی فضا پیدا کرے اور ظلم کے خاتمے کے لیے کام کرے۔ یہ تو ہمارا ایمانی فرض ہے۔ جب ہم قرآن حکیم پر ایمان رکھتے ہیں تو قرآن حکیم کا نظام قائم کرنا فرض ہو جاتا ہے۔ آج ہم اس فرض سے غافل ہیں۔ عبادات کے نظام سے سامراج کو کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ اگر ماحول درست ہو تو یہ عبادات متقی انسان پیدا کرتی ہیں۔ ولی اور بہادر لوگ پیدا کرتی ہیں۔ ظلم کا مقابلہ کرنے والے لوگ پیدا کرتی ہیں۔ لیکن آج ہم دیکھتے ہیں کہ نماز کو ہم رسم بنا کر ادا کرتے ہیں۔ کوئی اَخلاق ہم نماز سے حاصل نہیں کرتے۔ جب کہ قرآن حکیم میں فرمایا گیا کہ جب آدمی نماز پڑھتا ہے تو وہ نماز انسان کو ہر برے کام سے منع کرتی ہے۔ یہاں حالت یہ ہوتی ہے کہ پچاس سال سے نمازی ہے، لیکن اس کا اَخلاق نہیں بدلتا۔ اس کی عبادت صرف ایک عادت کے طور پر ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس غلط ماحول سے نجات عطا فرمائے۔ جو کہ روحانی ترقی کے لیے رُکاوٹ بنا ہوا ہے۔ اور انسانیت دوستی کا نظریہ پیدا نہیں ہو رہا۔ حضورؐ فرماتے ہیں کہ: ''بہترین وہ آدمی ہے، جس سے دوسروں کو فائدہ پہنچے''، ظلم مٹ جائے۔ بھائی چارے کی فضا پیدا ہوتی ہو۔ دین کا انقلاب تو پوری انسانیت کے لیے ہے۔ صرف مسلمانوں کے لیے نہیں ہے۔ یہ تو مسلمان جماعت کی ذمہ داری ہے کہ وہ اللہ کی مظلوم مخلوق کے لیے انقلاب لے کر آئے۔ انصاف کا انقلاب، سیاسی امن کا انقلاب اور معاشی خوش حالی کا انقلاب لائے۔ (بقیہ صفحہ 8، کالم 2)

rahimia.org

Monthly RAHIMIA Lahore رجسٹرڈ نمبر 123-R

رفتارِ کار

عتیق الرحمٰن ایڈووکیٹ

ادارۂ رحیمیہ لاہور میں دورۂ تفسیر قرآن حکیم کا انعقاد

ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور میں مؤرخہ 13 جون تا 27 جون 2010ء، پندرہ روزہ دورۂ تفسیر قرآن حکیم منعقد ہوا۔ جس میں ملک بھر سے ایک ہزار کے قریب نوجوانوں نے مختلف اوقات میں شرکت کی۔ اس دورۂ تفسیر میں پورے قرآن حکیم کی سورتوں کے اہم مضامین، اُن میں بیان کردہ دینی مقاصد واہداف اور قرآنی علوم ومعارف کا بیان کیا گیا۔ ملک بھر سے ممتاز دانش وروں اور علمائے کرام نے اس پروگرام میں قرآنی موضوعات پر لیکچرز دیے۔

ان پندرہ روز میں صبح فجر کی نماز کے بعد درسِ حدیث ہوتا رہا۔ اور صبح نو بجے سے ایک بجے تک درمیان کے مختصر وقفے کے ساتھ قرآن حکیم کی تفسیر اور اس کے علوم ومعارف اور ان کی تشریحات بیان ہوتی رہیں۔ ظہر کی نماز کے بعد نوجوانوں کی دینی معلومات میں اضافے کے لیے مسائل دینیہ کا بیان ہوتا رہا۔ اور پھر مختلف موضوعات پر لیکچرز کا سلسلہ رہا۔ ان موضوعات پر گروپ ڈسکشنز اور پینل مذاکروں کا انعقاد بھی کیا جاتا رہا۔ جس میں نوجوان کھل کر سوالات کرتے رہے۔ اور محاضرین اور علمائے کرام نے اُن کے مفصل جوابات دیے۔

عصر کی نماز کے بعد حضرت اقدس مولانا شاہ سعید احمد رائے پوری مدظلہ کی صحبت سے نوجوان خوب استفادہ کرتے رہے۔ احباب آپ سے سوالات کرتے تھے۔ اور آپ بڑی محبت سے انھیں شعور وآگہی پر مبنی دین کی باتیں سمجھاتے تھے۔ نیز قلبی توجہات سے انھیں فیض یاب کرتے رہے۔ مغرب کی نماز کے بعد مجلس ذکر میں بھی نوجوانوں کی بھرپور شرکت رہی۔ اور عشا کی نماز کے بعد ایک، ڈیڑھ گھنٹے تک قرآن حکیم کی سورتوں کی تفسیر بیان ہوتی رہی۔ اس طرح رات گئے تک قرآنی علوم ومعارف کے بیانات کے ماحول میں پندرہ روز تک نوجوانوں نے بھرپور استفادہ کیا۔

تقریب تقسیم اسناد وتکمیل بخاری شریف

دورۂ تفسیر کے اختتام پر مؤرخہ 27 جون 2010ء، بروز اتوار کو امتحان میں کامیاب ہونے والے نوجوانوں میں انعامات اور اسناد کی تقسیم کے حوالے سے ایک تقریب منعقد ہوئی۔ جس میں دورۂ حدیث شریف کی اہم ترین کتاب ''صحیح بخاری شریف'' کی تکمیل بھی کی گئی۔ جس میں پروگرام کی ترتیب کچھ اس طرح سے رہی کہ سب سے پہلے ناظمِ تعلیمات ادارہ رحیمیہ مفتی عبدالغنی قاسمی صاحب نے دورۂ تفسیر کے اغراض ومقاصد بیان فرمائے۔ پھر حضرت مولانا مفتی مختار حسن اور حضرت مولانا مفتی عبدالمتین نعمانی اور صدر ادارہ ڈاکٹر مفتی سعید الرحمٰن نے قرآن حکیم کی عظمت، اہمیت، مقاصد و اہداف اور اس سے دینی شعور حاصل کرنے کی اہمیت بیان کی۔ اس کے بعد ناظمِ اعلیٰ ادارہ رحیمیہ حضرت مولانا مفتی عبدالخالق آزاد نے بخاری شریف کی آخری حدیث کا درس دیا۔ آخر میں شرکا میں انعامات اور اسناد تقسیم کی گئیں۔ اور حضرت اقدس دامت برکاتہم العالیہ کی دعا سے یہ تقریب اختتام پذیر ہوئی۔ پھر نماز ظہر ادا کی گئی۔ اور احباب نے رُخصت لی۔

(بقیہ خطبہ جمعۃ المبارک) آج رمضان المبارک کے اس مہینے میں ہم نے اس بات کا عزم کرنا ہے کہ ان عبادات اور تجلیات کے ماحول میں ہمارے قلب کی صلاحیت نکھرے۔ اور ہمارے نفس میں توازن پیدا ہو۔ ہماری عقل کی صلاحیت بلند ہو۔ اگر یہ چیز دل ودماغ میں رکھ کر رمضان گزاریں گے تو یقیناً نتائج پیدا ہوں گے۔ لیکن اگر غفلت کے ساتھ رمضان گزارا اور رسمی طور پر عبادات سرانجام دے لیں تو اس سے نتائج پیدا نہیں ہوں گے۔ ہمارے لیے یہ بڑی خوشی کی بات ہے کہ یہ قیمتی اوقات حضرت اقدس رائے پوری مدظلہ کی معیت میں گزارنے کا موقع مل رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ رمضان کی ان بابرکت گھڑیوں کو جرأت وہمت اور عقل وشعور کے ساتھ گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

دینی مسائل

اس صفحہ پر قارئین کے سوالات کے جوابات دیئے جاتے ہیں۔

از جناب مفتی عبدالغنی قاسمی شعبہ دارالافتا ادارہ رحیمیہ علوم قرآنیہ (ٹرسٹ) لاہور

سوال (1): عصر کی جماعت ہورہی ہے۔ اور مقتدی کو صرف آخری ایک رکعت جماعت کے ساتھ ملی ہے۔ اب بقیہ تین رکعتیں کیسے مکمل کرے؟ دانش بٹ، لاہور

جواب: جس شخص کو چار رکعت والی نماز ظہر یا عصر یا عشا میں امام کے ساتھ ایک رکعت ملی۔ تو وہ شخص امام کے سلام کے بعد کھڑا ہو کر درج ذیل طریقے سے اپنی بقیہ نماز مکمل کرے گا۔ امام کے سلام کے بعد کھڑا ہو کر ثنا، تعوذ، سورہ فاتحہ اور اس کے ساتھ کوئی دوسری سورت پڑھے۔ اور رکوع وسجدہ کر کے تشہد کے لیے بیٹھ جائے، اس لیے کہ اس کی دو رکعتیں ہوگئیں۔ ایک رکعت امام کے ساتھ اور ایک رکعت امام کے بعد۔ اب تشہد میں التحیات پڑھ کر اُٹھ کھڑا ہو۔ اور تیسری رکعت میں کھڑے ہو کر سورہ فاتحہ اور کوئی سورت پڑھ کر رکوع اور سجدہ کرے۔ دو سجدوں کے فوراً بعد چوتھی رکعت کے لیے اُٹھ کھڑا ہو۔ اور صرف سورۃ فاتحہ پڑھے۔ اس رکعت کا رکوع وسجدہ کر کے التحیات اور درود شریف ودعا پڑھ کر سلام پھیر دے۔

سوال (2): نماز جنازہ کے لیے وضو کیا تھا۔ کیا نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد اسی وضو سے فرض یا نفل نماز ادا کی جاسکتی ہے یا نہیں؟

جواب: ایسا وضو، جو نماز جنازہ کی ادائیگی کے لیے کیا گیا تھا، اس سے دیگر نمازیں، فرائض ونوافل اور تمام عبادات، جن کے لیے وضو کرنا ہوتا ہے، ادا کی جاسکتی ہیں۔

سوال (3): زید کی اپنی بیوی سے فون پر بات چیت ہورہی تھی۔ جو جھگڑے کی نوعیت اختیار کر گئی۔ اس پر زید نے اپنی بیوی کو فون پر تین طلاقیں دے دیں۔ قابل دریافت امر یہ ہے کہ کیا فون پر دی ہوئی طلاق واقع ہوجاتی ہے یا نہیں؟ سائل عبداللہ، جہلم

جواب: فون پر دی ہوئی طلاق واقع ہوجائے گی۔ طلاق کے وقت عورت کا سامنے ہونا ضروری نہیں۔ اپنی اہلیہ کو اس کی عدم موجودگی میں بھی طلاق دینے سے طلاق واقع ہوجاتی ہے۔ اگرچہ وہ آواز سُن رہی ہو یا نہ سن رہی ہو۔

سوال (4): آج کل دانتوں پر سونے اور چاندی کے خول چڑھائے جاتے ہیں۔ جن سے پورا دانت خول میں چھپ جاتا ہے۔ کیا یہ شرعاً جائز ہے؟ اور کیا وضو اور غسل میں کوئی حرج تو نہ ہوگا؟ فاروق حسین، کشمیر

جواب: دانتوں کو سونے یا چاندی کا خول پہنانا اگر دانتوں کے کسی مرض یا اندیشہ مرض کی وجہ سے ہو تو جائز ہے۔ البتہ محض زینت کے لیے سونے یا چاندی کا خول دانتوں پر چڑھانا مکروہ ہے۔ دونوں صورتوں میں اگر خول کا اُتارنا اور پہننا مشکل ہو تو دانتوں کے حکم میں ہے۔ اور وضو، غسل میں کچھ حرج واقع نہ ہوگا۔

مدیر اعلیٰ مفتی عبدالخالق آزاد طابع وناشر نے اے۔ جے پرنٹرز 28/A نسبت روڈ، لاہور سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ ''رحیمیہ'' رحیمیہ ہاؤس 33/A کوئینز روڈ، لاہور سے شائع کیا۔